مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ مصنف کو حکومتِ ہند نے کس اعزاز سے نوازا؟
۲۔ برسات کا موسم کس شان سے آتا ہے؟
۳۔ برسات کے موسم میں لوگوں کو پہچاننا کیوں مشکل ہوجاتا ہے؟
۴۔ مصنف ساری رات کیوں بھیگتے رہے؟
۵۔ انٹرویو میں ڈائرکٹر کی کرسی پر کون بیٹھا تھا؟
۶۔ برسات کا موسم آتے ہی سڑکوں پر جا بجا کیا نظر آتا ہے؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ برسات کی آمد کے منظر کو مصنف نے کس طرح بیان کیا ہے؟
۲۔ برسات کو اُمیدوں والا موسم کیوں کہا گیا ہے؟
۳۔ مصنف نے مکان بدلنے کی کوشش کیوں ترک کردی؟
۴۔ برسات کے موسم میں کیچڑ کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے؟

جملوں کی صحیح جوڑیاں تلاش کرکے مکمل جملے لکھیے :

۱۔	برسات ہمارے دل میں	الف۔	ہماری چھتری کو عزّت بخشی ہے۔
۲۔	ان دنوں کیچڑ کی	ب۔	کیچڑ سے پھسلتے دیکھا ہے۔
۳۔	اس نے ہماری چھتری کے نیچے آکر	ج۔	کردار کون سے موسم کا ہوتا ہے۔
۴۔	بھلا بتائیے ایسا باضابطہ	د۔	سینکڑوں اُمیدیں پیدا کردیتی ہے۔
۵۔	ہم نے بڑے بڑے شہسواروں کو	ہ۔	بالکل قلّت نہیں ہوتی۔

درجہ بندی

نیچے دیے ہوئے الفاظ مناسب موسموں سے متعلق خانوں میں درج کیجیے :

آم - کرسمس - کولر - چھتری - دیوالی کی چھٹیاں - یومِ آزادی - سویٹر -
مئی کی چھٹیاں - ہولی - یومِ جمہوریہ - پولا

گرمی	سردی	برسات

بتائیے ان میں سے کون سی کتاب مجتبیٰ حسین کی نہیں ہے :

آدمی نامہ　　　غبارِ خاطر　　　قطع کلام

خود آموزی

مرزا فرحت اللہ بیگ کی لکھی ہوئی 'ایک مزیدار کہانی' حاصل کر کے پڑھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ بارش کے موسم میں ہونے والی بیماریوں سے بچنے کے لیے کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہیے؟ اپنے استاد یا سرپرستوں سے معلوم کر کے لکھیے۔

۲۔ اس سبق سے اپنی پسند کے پانچ جملے لکھیے۔

اضافی معلومات

اعراب :

آپ حروفِ علت کے بارے میں جانتے ہیں۔ ایک بار پھر :

آ ، اے ، او ، ای

کو ادا کیجیے۔ آپ نے کیا محسوس کیا؟

یہی کہ یہ آوازیں کسی قدر طویل یعنی لمبی ہوتی ہیں۔ جیسے

کتاب میں تا　　پنجرے میں رے　　کوئی میں کو　　خوشبو میں بُو　　بلّی میں لی

اب ان لفظوں کی آوازوں پر توجہ دیں :

اَب میں اَ ، رَس میں رَ ، اِن میں اِ ، دِن میں دِ ، اُدھر میں اُ ، صُبح میں صُ

ا ، ر ، د اور ص پر جو علامات لگائی گئی ہیں، وہ آ ، او ، ای سے مختصر ہیں۔ طویل آوازوں کو ا ، و ، ی سے لکھا جاتا ہے جبکہ مختصر آوازوں کے لیے ہم نے کچھ عربی علامات طے کی ہیں۔ انھیں زبر ، زیر اور پیش کہا جاتا ہے۔ جنھیں اوپر کی پہلی ، دوسری اور تیسری مثالوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ان علامتوں کو **اعراب** بھی کہتے ہیں۔

- درج ذیل الفاظ کے پہلے حرف پر اعراب لگائیے۔

گرج ، اٹھ ، اسکول ، طغیانی ، وضع ، اترتے ، لباس ، اداس

کیا ہم یہ کر سکتے ہیں؟

۱۔ میں برسات کے دس فائدے بتا سکتا/سکتی ہوں۔	ہاں / نہیں
۲۔ میں اس سبق کے مصنف کا زبانی تعارف کر سکتا/سکتی ہوں۔	ہاں / نہیں
۳۔ میں برسات اور گرمی کے موسم کا موازنہ کر سکتا/سکتی ہوں۔	ہاں / نہیں

۷

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو!

مولانا الطاف حسین حالیؔ

پہلی بات

ہمارے گھر میں بہت سے لوگ ہم سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں: دادا جان، نانا جان، ابّا، چاچا، ماموں، بھائی۔ ان سب کو بھی اپنے چھوٹوں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ نوکری ملازمت کر کے یہ ہمارے لیے کماتے، ہمیں اچھا کھلاتے اور پہناتے ہیں۔ ہم بیمار ہوں تو ہمارا علاج کرواتے ہیں۔ ان رشتے داروں کے ساتھ رہتے ہوئے کیا کبھی آپ نے سوچا کہ ہم جو کچھ کھاتے ہیں، اسے کون پکاتا ہے؟ ہمیں صاف ستھرے کپڑے کون پہناتا ہے؟ بیماری میں ہمیں دوا کون پلاتا ہے؟ ہمارا چھوٹا بھائی یا ہماری چھوٹی بہن روتی ہے تو اسے کون بہلاتا ہے؟ اس کے ساتھ کھیلتا کون ہے؟ ان سوالوں کے جواب آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان جوابات کو ذہن میں رکھ کر مولانا حالیؔ کی یہ نظم پڑھیے جس میں ماں، بہن، بیٹی یا عورت کی سماجی اور گھریلو حیثیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

جان پہچان

مولانا الطاف حسین حالیؔ ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ وہ اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ نثر میں انھوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ قوم وملت کی اِصلاح کے لیے اُنھوں نے بہت سی نظمیں کہی ہیں۔ مسدسِ حالیؔ ان کی مشہور طویل نظم ہے۔ خواتین کے لیے بھی اُنھوں نے بہت سی نظمیں لکھیں۔ ذیل کی نظم میں اُنھوں نے خواتین کی اہمیت وعظمت کو واضح کیا ہے۔ ان کا انتقال یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو پانی پت میں ہوا۔

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو! دُنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھیں، قوموں کی عزّت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں، دُکھ سُکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غُربت ہے وطن، تم بِن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو، عفّت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں، ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمھاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا
گُھٹّی میں ہے صبر و رضا، انساں عبارت تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم، غم خوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویرانہ سب، گھر بھر میں برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی، ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی، عُسرت میں عِشرت تم سے ہے
آتی ہو اکثر بے طلب، دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یاں، گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

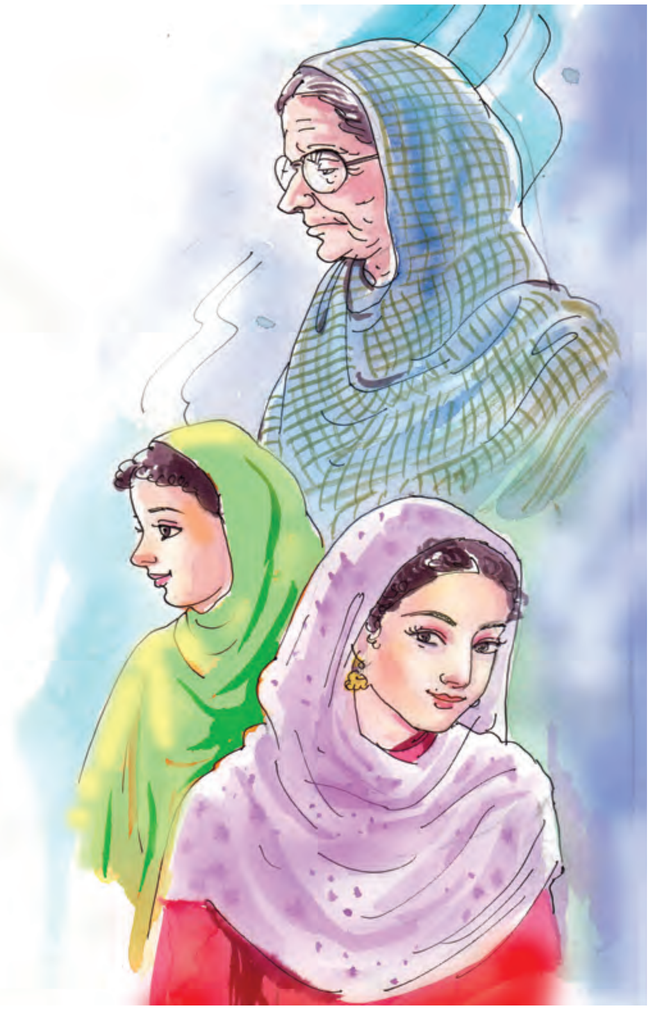

خلاصۂ کلام

شاعر خواتین کو ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی طرح مخاطب کر کے کہتا ہے کہ دنیا کی سجاوٹ اور خوبصورتی تمھاری وجہ سے ہے۔ گھر میں خوشی اور سُکھ تم سے ملتا ہے اور باہر تمھاری یاد ہمیں گھر سے دور نہیں ہونے دیتی۔ تم نیکی، پاکیزگی، شرم و حیا اور صبر و رضا کی تصویر ہو۔ یہ ساری خوبیاں تمھاری وجہ سے دوسرے انسانوں کو ملتی ہیں۔ تم اپنے بیٹوں، بھائیوں اور شوہروں کی ہمدرد ہو۔ بیماری اور بے روزگاری میں ان کی ہمت بڑھاتی اور اپنی خوش اخلاقی سے سب کے دل جیت لیتی ہو۔

معنی و اشارات

زینت	-	خوبصورتی، سجاوٹ
تم سے ہے	-	تمھاری وجہ سے ہے
شادیاں	-	خوشیاں
راحت	-	خوشی، آرام
غُربت	-	وطن سے دوری
تم ہو تو غربت ہے وطن		یعنی تم ساتھ ہو تو وطن سے دور رہنے کے باوجود وطن سے دوری کا احساس نہیں ہوتا اور بے وطنی وطن جیسی محسوس ہوتی ہے۔
حلاوت	-	مٹھاس، مزہ
عِفّت	-	پاکیزگی
پاسباں	-	حفاظت کرنے والا
طِینت	-	فطرت، عادت
گھٹّی میں ہونا	-	بہت پرانی/بچپن کی عادت ہونا
صبر و رضا	-	کسی بات کو راضی خوشی مان لینا
عبارت ہونا	-	وجود میں ہونا، مدعا ہونا
مونس	-	محبت کرنے والا
غم خوار	-	ہمدردی کرنے والا
ڈھارس	-	ہمت
نادار	-	مفلس، خراب
عُسرت	-	غریبی، تنگی
عِشرت	-	عیش و آرام
بے طلب	-	بغیر مانگے
موہنی	-	پسندیدگی
چھا جانا	-	قبضہ کر لینا

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ اس نظم کے شاعر کی مشہور نظم کا نام لکھیے۔

۲۔ شاعر نے نیکی کی تصویر کسے کہا ہے؟

۳۔ شاعر نے عورتوں کی فطرت کسے کہا ہے؟

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ شاعر نے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی اہمیت کس طرح بیان کی ہے؟

۲۔ شاعر نے نیک خواتین کی کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟

۳۔ 'آتی ہو اکثر بے طلب' کہہ کر شاعر نے معاشرے کی کس خرابی کی طرف اشارہ کیا ہے؟

وسعت میرے بیان کی

درج ذیل شعر کا مطلب بیان کیجیے۔

فطرت تمھاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا ۔۔۔ گھٹی میں ہے صبر و رضا، انساں عبارت تم سے ہے

لفظوں کا کھیل

خالی جگہ میں ایسا حرف لکھیے کہ دو ایسے لفظ بن جائیں جن کے معنی عیش اور غربت ہوں۔

	ع		
	ش		
ت		س	ع
	ت		

تلاش و جستجو

اس نظم میں آنے والے ایک دوسرے کی ضد کے الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

سرگرمی / منصوبہ :

۱۔ اپنے استاد کی مدد سے معلوم کیجیے کہ رسولِ اکرمؐ نے ماں اور بیٹی کے متعلق کیا کہا ہے؟

۲۔ اسی کتاب میں دی ہوئی اکبرؔالہ آبادی کی نظم 'ہونہار بیٹا' میں ایک بیٹے کی بہت سی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے اور حالیؔ کی یہ نظم ماں، بہن، بیٹی کی خوبیوں کو اُجاگر کرتی ہے۔ دونوں کی خوبیوں کا موازنہ کیجیے اور بتائیے کہ دونوں کے لیے الگ خوبیاں ضروری ہیں یا دونوں ہی میں یہ ساری خوبیاں ہونی چاہئیں۔

۳۔ اپنے استاد/ سرپرست سے 'یومِ نسواں' کے تعلق سے معلومات حاصل کیجیے۔

اضافی معلومات

ذیل کے جملے پڑھیے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے۔

۱۔ گہرا سانولا رنگ جس پر اس کے سفید بگلا سے بال خوب <u>کِھلتے</u> تھے۔

۲۔ دروازہ <u>کُھلتے</u> ہی چور بھاگ گیا۔

۳۔ ایک <u>پَتلا</u> سا دالان ہے۔

۴۔ آدمی کیا ہے خاک کا <u>پُتلا</u> ہے۔

خط کشیدہ الفاظ 'کِھلتے - کُھلتے' اور 'پَتلا - پُتلا' کا اِملا تو ایک جیسا ہے مگر اعراب کے فرق سے ان کے تلفّظ اور معنی مختلف ہو گئے ہیں۔

سابقہ اسباق سے اس طرح کے پانچ الفاظ تلاش کر کے انھیں جملوں میں استعمال کیجیے اور ان کے نیچے خط کھینچیے۔

۸ ڈاکٹر ذاکر حسین

پہلی بات

آزادی کے بعد ہمارے ملک میں عوامی حکومت قائم ہوئی جسے جمہوریت کہتے ہیں۔ جمہوریت میں ملک کے عوام اپنے علاقوں سے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ یہ نمائندے ملک کی پارلیمنٹ میں آ کر حکومت کا کاروبار سنبھالتے ہیں اور انتخابِ رائے سے کسی اہم شخصیت کو ملک کا صدر مقرر کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ذریعے بنائے گئے مسودوں پر صدر کے دستخط سے حکومت کے سارے قوانین بنائے جاتے ہیں جن پر عمل کرنا عوام کا فرض ہوتا ہے۔

بھارت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرساد کے بعد ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اس عہدے کو سنبھالا۔ آپ نے پانچویں جماعت میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرلی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ صدر بننے سے پہلے ڈاکٹر رادھا کرشنن ایک مدرّس تھے۔ ان ہی کی طرح ڈاکٹر ذاکر حسین بھی علی گڑھ اور دہلی میں پہلے درس و تدریس سے منسلک تھے۔ ان کی عالمانہ خوبیوں اور انتظامی صلاحیتوں کو دیکھ کر انھیں ملک کی صدارت پیش کی گئی تھی۔ آیئے دیکھیں، ان کی زندگی کیسے گزری۔

ڈاکٹر ذاکر حسین ہمارے ملک کے تیسرے صدرِ جمہوریہ ہوئے ہیں۔ وہ ۸/فروری ۱۸۹۷ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد فدا حسین خاں حیدرآباد میں وکالت کیا کرتے تھے۔

ذاکر صاحب ابھی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ وہ حیدرآباد سے اُترپردیش آ گئے اور اِٹاوہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں انھیں داخل کیا گیا۔ اسکول کی تعلیم ختم کر کے انھوں نے کچھ دنوں لکھنؤ کے ایک کالج میں پڑھائی کی۔ پھر علی گڑھ میں سرسیّد کے جاری کیے گئے مشہور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں داخل ہوئے جہاں وہ ایم.اے. کر رہے تھے۔ ان ہی دنوں مہاتما گاندھی کے کہنے پر مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا ابوالکلام آزاد، مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں اور دوسرے قومی رہنماؤں نے دہلی میں جامعہ ملّیہ اسلامیہ قائم کیا۔ بہت سے طالب علم اور اساتذہ مسلم یونیورسٹی سے الگ ہوکر جامعہ میں آ گئے۔ ذاکر صاحب بھی ان میں شامل تھے۔ وہ اس وقت پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے۔ جامعہ ملّیہ میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ یورپ کے ملک جرمنی چلے گئے۔

جرمنی میں ڈاکٹر سیّد عابد حسین اور پروفیسر محمد مجیب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ تینوں کے مزاج میں بڑی یکسانیت تھی اس لیے وہ گہرے دوست بن گئے۔ ۱۹۲۶ء میں یہ تینوں اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں لے کر ہندوستان واپس آئے۔ یہاں آتے ہی انھوں نے جامعہ ملّیہ کا کام سنبھال لیا۔

ذاکر صاحب ۱۹۴۸ء تک جامعہ میں خدمت کرتے رہے۔ پھر اس وقت کے وزیرِ تعلیم مولانا آزاد نے ان سے علی گڑھ

یونیورسٹی کی ذمّے داری قبول کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ ذاکر صاحب اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ اپنی صلاحیتوں کو کام میں لاکر ذاکر صاحب نے مسلمانوں کے اس تعلیمی ادارے کو خوب ترقی دی۔ یہاں کے عملے میں کام کرنے کا حوصلہ اور ولولہ پیدا کیا۔ نئے نئے شعبے جاری کیے اور کئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ذاکر صاحب کی وجہ سے یونیورسٹی میں نئی جان پڑ گئی۔

ذاکر صاحب کی صحت ایک زمانے سے خراب تھی۔ علی گڑھ میں کاموں کا بوجھ بڑھا تو ان کی صحت تیزی سے گرنے لگی۔ آخر ۱۹۵۲ء میں انھوں نے استعفیٰ دے دیا اور اپنے گھر جامعہ نگر دہلی چلے آئے۔ کچھ عرصے بعد پنڈت جواہر لال نہرو کے اصرار پر انھیں بہار کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس ذمّے داری کو بھی ذاکر صاحب نے بڑی خوبی سے نبھایا۔ ۱۹۶۲ء میں انھیں نائب صدرِ جمہوریہ بنا دیا گیا۔ اپنی خدمات کی وجہ سے وہ اتنے ہر دلعزیز ہوئے کہ ملک کے سب سے بڑے عہدے صدر جمہوریہ کے لیے ان کا نام پیش کیا گیا اور ۱۲ر مئی ۱۹۶۷ء کو وہ اس عہدے پر فائز ہوئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص خلوص، محبت، لگن اور دیانت داری کے ساتھ عوام کی خدمت کرتا ہے، اسے زندگی میں ضرور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

مصروفیات کی وجہ سے ذاکر صاحب اپنے گھر کی طرف کم ہی توجہ دے پاتے مگر ان کے گھر کی ہر چیز سے ان کا اعلیٰ ذوق جھلکتا تھا۔ ذاکر صاحب کو باغبانی کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے مختلف قسم کے پیڑ پودے اپنے باغ میں لگائے تھے۔ خاص طور پر طرح طرح کے گلابوں کی کیاریوں سے ان کا باغ سجا رہتا تھا۔ ان کا گھر دنیا بھر کی مشہور تصویروں سے بھی بھرا تھا۔ وہ ان تصویروں کی نقلیں بچوں اور دوستوں میں تقسیم کرتے تھے۔ پتھر جمع کرنا ذاکر صاحب کا ایک اور مشغلہ تھا۔ انھوں نے عجیب عجیب قسم کے پتھر جمع کیے تھے کہ دیکھنے والا دنگ رہ جائے۔ انھیں طرح طرح کے چرندو پرند بھی پالنے کا شوق تھا۔ ایک طرف پہاڑی طوطا ٹیں ٹیں کرتا، کہیں خوبصورت بلی ناز و انداز دِکھاتی۔ مرغیاں سب ایک رنگ اور ایک نسل کی؛ سفید سفید۔ ایسی ہی خوبصورت بکریاں!

ایک دن بکری تسلے میں دانہ کھا رہی تھی۔ کچھ گھاس اور پتیاں سامنے پڑی تھیں۔ ذاکر صاحب نے اپنی بیگم صاحبہ سے کہا، ”آپ بکری کو کس طرح دانہ دیتی ہیں، گھاس تو زمین پر پڑی ہے۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ ایک اچھی سی چٹائی بچھا کر اسے بٹھائیے۔ لوٹے میں پانی لاکر اس کا منہ دھوئیے۔ تولیے سے پونچھیے، پھر تسلے میں کھانا سجا کر اس کے سامنے رکھیے۔“

بیگم صاحبہ اور وہاں موجود دوسرے گھر والے ہنسنے لگے، مگر آپ اس بات پر غور کریں تو اس میں گہرائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام، چھوٹا ہو یا بڑا، اچھی طرح اور سلیقے سے انجام دینا چاہیے۔

اکثر بڑے آدمی سمجھتے ہیں کہ اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں اور غریبوں سے ملنے اور بات کرنے میں ہماری شان گھٹ جائے گی۔ مگر ذاکر صاحب کا انداز اور ہی تھا۔ جب وہ علی گڑھ سے دہلی آتے تو ان کے یہاں کی ایک غریب بڑھیا ان کے آنے کی خبر سن کر تڑپ جاتی۔ ”ذاکر بھیا آئے ہیں، ذاکر بھیا آئے ہیں“ کہہ کر اُٹھتی اور لاٹھی ٹیکتی ان سے ملنے پہنچ جاتی۔ ذاکر صاحب بھی اس سے بڑی اپنائیت سے ملتے۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑ گئی اور ذاکر صاحب سے ملنے نہ آئی تو خود ذاکر صاحب اس کی مزاج پرسی کو اس کی کوٹھری میں آئے۔ اس سے خوب باتیں کیں۔

گھر والے اور ان کے دوسرے رشتے دار ذاکر صاحب کو میاں کہا کرتے تھے۔ ذاکر صاحب کو بچوں سے بڑی محبّت تھی۔ ان کی شرارتوں اور شور وغل سے بھی وہ پریشان نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنی انتہائی مصروف زندگی میں بھی بچّوں کے ساتھ رہنے کا وقت نکال لیتے۔ ان کے نزدیک ملک اور قوم کی سب سے بڑی اور قدر کے قابل دولت بچے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بچّوں کو اچھی تعلیم دی

جائے اور مناسب طور پر ان کی پرورش کی جائے۔ بچے ہی وہ بنیاد ہیں جس پر قومی تعلیم کی نئی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے بچوں کی تعلیم اور ان کی ضرورتوں کو سمجھا اور ان کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب مکتبہ جامعہ قائم ہوا تو یہاں سب سے زیادہ بچوں کے لیے کتابیں تیار کرنے کا کام کیا گیا۔ ذاکر صاحب نے اپنی عمر بچوں کو پڑھانے میں گزار دی۔ انھوں نے تدریس کے پیشے کو اس لیے چُنا کہ انھیں اس کام کا شوق تھا۔

ذاکر صاحب نے جامعہ کے ہر کام میں بچوں کو آگے رکھا اور ان سے بڑے بڑے کام کروائے۔ ۱۹۳۵ء میں جب دہلی میں جامعہ نگر کی عمارتیں بننا شروع ہوئیں تو ان کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے اس بچے کو عزت دی جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ ذاکر صاحب کا برتاؤ کچھ ایسا تھا کہ بچے اپنے آپ پر بھروسا کرنے لگیں۔ ان کا خیال تھا کہ بچے کی شخصیت اُبھر کر سامنے آنی چاہیے، اس کے جوہر کھلنے چاہئیں۔ اسے اپنے کام میں مزہ آنا چاہیے۔ بچوں کے لیے انھوں نے بہت سی مزے دار کہانیاں بھی لکھیں۔

بچوں سے پیار کرنے والے، بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مسلسل کوشش کرنے والے اور ملک کے عوام کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرنے والے اس مخلص رہنما نے ۳رمئی ۱۹۶۹ء میں وفات پائی۔ جامعہ ملیہ کے احاطے میں ان کا مقبرہ موجود ہے۔

معنی و اشارات

وکالت	وکیل کا پیشہ	فائز ہونا	مقرر ہونا
عملہ	کسی دفتر میں ملازمت کرنے والے	مشغلہ	شوق
شعبہ	محکمہ، آفس	سنگِ بنیاد	کسی عمارت کی بنیاد میں رکھا جانے والا پتھر
نئی جان پڑ جانا	پھر سے طاقت آ جانا	جوہر کھلنا	صلاحیت اُبھر کر سامنے آنا
ہردلعزیز	سب کو پسند آنے والا		

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے والد کا نام کیا تھا اور وہ کیا کرتے تھے؟

۲۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی تاریخِ پیدائش لکھیے۔

۳۔ ذاکر صاحب نے اعلیٰ تعلیم کہاں حاصل کی؟

۴۔ ذاکر صاحب نے جامعہ ملیہ میں کب تک خدمت کی؟

۵۔ ذاکر صاحب کو بہار کا گورنر بنانے کے لیے کس نے اصرار کیا؟

۶۔ جامعہ نگر کی عمارتوں کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟

ڈاکٹر ذاکر حسین کا مقبرہ

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ ذاکر صاحب حیدر آباد سے اُتر پردیش کیوں آئے؟

۲۔ جرمنی میں ذاکر صاحب کی دوستی کن سے ہوئی اور کیوں؟

۳۔ جامعہ کی ترقی کے لیے ذاکر صاحب نے کون سے کام کیے؟

۴۔ ذاکر صاحب کو کن باتوں کا شوق تھا؟

۵۔ بکری کو دانہ کھلانے کا واقعہ بیان کیجیے۔

۶۔ کس واقعے سے پتا چلتا ہے کہ ذاکر صاحب غریبوں سے بھی ملاقات کرتے تھے؟

سبق کی مدد سے خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

۱۔ ذاکر صاحب .... کو پیدا ہوئے۔

۲۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ یورپ کے ملک .... چلے گئے۔

۳۔ جو شخص خلوص کے ساتھ عوام کی خدمت کرتا ہے اسے زندگی میں ضرور .... حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ وہ انتہائی مصروف زندگی میں بھی .... کے ساتھ رہنے کا وقت نکال لیتے۔

۵۔ ان کا خیال تھا کہ بچے کی .... اُبھر کر سامنے آنی چاہیے۔

خود آموزی

اپنے اسکول کی لائبریری سے ذاکر صاحب کی کہانیوں کی کتاب 'ابو خاں کی بکری' حاصل کر کے پڑھیے۔

زورِ قلم

ہندوستان کے پانچ صدور کی تصویریں اپنی بیاض میں چسپاں کیجیے اور کسی ایک صدر کے بارے میں آٹھ سطریں لکھیے۔

سرگرمی / منصوبہ:

ذاکر صاحب کو تصویریں اور طرح طرح کے پتھر جمع کرنے کا شوق تھا۔ آپ بھی دی گئی چیزیں جمع کرنے کی کوشش کریں۔

الف۔ ڈاک کے ٹکٹ

ب۔ پرانے سکّے

ج۔ شاعروں اور ادیبوں کی تصویریں

آپ جو کچھ جمع کریں، ان کے بارے میں مختصر معلومات بھی لکھیں۔

کیا ہم یہ کر سکتے ہیں؟

۱۔ میں ڈاکٹر ذاکر حسین کے شوق کے بارے میں زبانی بتا سکتا/سکتی ہوں۔	ہاں / نہیں
۲۔ میں اس سبق کے مشکل الفاظ کے معنی بتا سکتا/سکتی ہوں۔	ہاں / نہیں
۳۔ میں ہندوستان کے پانچ صدور کے نام بتا سکتا/سکتی ہوں۔	ہاں / نہیں

اسمِ عددی: اسم عام کی پہچان میں آپ یہ جملہ پڑھ چکے ہیں:

ان کی خلافت کی مدت دس برس، چھے مہینے اور چار دن ہے۔

اس جملے میں اسم 'برس'، 'مہینے' اور 'دن' کو عددوں میں گنا گیا ہے یعنی دس برس، چھے مہینے، چار دن۔

دیے گئے جملے سے ہٹ کر برسوں، مہینوں اور دنوں کی مدت کو کئی برس، چند مہینے، بہت دن وغیرہ فقروں میں بھی گنا جا سکتا ہے۔ اس مثال کو 'ایک کتاب'، 'دس کتابیں'، 'کئی کتابیں'، 'بہت سی کتابیں' کہنا بھی ممکن ہے۔ گویا بہت سے اسم (چیزیں، اشخاص اور مقامات وغیرہ) کو ایک، دس، سو اور ہزار کی گنتی میں گنا جا سکتا ہے۔ ایسے اسم کو 'اسمِ عددی' کہتے ہیں۔

اسمِ عددی کی چند مثالیں 'کھدر کا کفن' سبق سے چن کر اپنی بیاض میں لکھیے۔

اسمِ غیر عددی: کیا آپ اپنی بات چیت میں کبھی 'ایک پانی'، 'کچھ دوستی'، 'سیکڑوں محبت'، 'پانچ سونا' جیسے فقرے استعمال کرتے ہیں؟ نہیں کرتے نا۔ کیونکہ پانی، دوستی، محبت اور سونے کو ہم اعداد میں گن نہیں سکتے۔ جن اسموں کو گنا نہیں جاتا انھیں اسمِ غیر عددی کہا جاتا ہے۔

ذیل کے فقروں میں سے اسمِ غیر عددی کی مثالیں الگ کیجیے۔

ملک کے تیسرے صدر جمہوریہ، کئی عمارتیں تعمیر کیں، ہزاروں کا لشکر، سیکڑوں اُمیدیں، صدیوں پرانا، سات سو بادلوں کی فوج، تین میں نہ تیرہ میں۔

اسمِ مادّہ: اب ذرا درج ذیل الفاظ پر غور کیجیے:

سونا، چاندی، لکڑی، شیشہ، دودھ، پانی، دوا، چائے، ہوا، بھاپ، گیس، برف، مٹی، کوئلہ وغیرہ

ان چیزوں کے بارے میں آپ سائنس میں پڑھ چکے ہیں کہ کچھ چیزیں ٹھوس، کچھ مائع اور کچھ گیس ہوتی ہیں۔ سائنس کی زبان میں انھیں 'مادّہ' کہا جاتا ہے کیونکہ جن چیزوں کو ہم دیکھ اور چھو سکتے ہیں، وہ سب مادّے سے بنی ہوتی ہیں۔ قواعد میں ایسی چیزوں کے نام 'اسمِ مادّہ' کہلاتے ہیں۔

سبق 'لو آ گئی برسات' سے اسمِ مادّہ کی مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

اسمِ جمع: ان جملوں پر غور کیجیے۔

۱۔ فوج میں ہزاروں سپاہی قطار میں کھڑے ہیں۔

۲۔ معلوم کیجیے کہ آپ کی جماعت میں کتنے طلبہ پڑھتے ہیں۔

۳۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کھیل کے میدان میں تماشائیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔

اوپر کے جملوں میں الفاظ 'فوج'، 'قطار'، 'جماعت'، 'بھیڑ'، ایک ہی مقام پر بہت سے لوگوں کی موجودگی ظاہر کرتے ہیں۔ ہزاروں سپاہیوں کو ایک لفظ میں 'فوج' کہہ دیا جاتا ہے۔ پچاس طلبہ ایک ساتھ پڑھتے ہوں تو ان کی ایک جماعت بن جاتی ہے اور کھیل کے میدان کے سیکڑوں ہزاروں تماشائی 'بھیڑ' کہلاتے ہیں۔ یعنی وہ اسم (فوج، جماعت، بھیڑ، چھتا، گروہ، وغیرہ) جو چیزوں یا لوگوں کا مجموعی نام ہو اسے 'اسمِ جمع' کہتے ہیں۔

کتاب

جمالؔ ناصر

پہلی بات جواہر لال نہرو ایک بار اپنے دوست کی دعوت پر اس کے گھر گئے۔ دوست نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ کھانے کے لیے ابھی وقت تھا۔ اس درمیان نہرو نے اپنے دوست کی کتابوں کی الماری کھولی۔ اتفاق سے الماری میں انھیں اپنی ہی کتاب نظر آئی۔ لیکن اس کتاب کے اوراق مُڑے ہوئے تھے اور نہایت خراب حالت میں وہ کتاب رکھی ہوئی تھی۔ کتاب کی یہ حالت دیکھ کر نہرو جی کو بڑا دُکھ ہوا۔ انھوں نے اپنے دوست سے کہا کہ تم نے مجھے اپنے گھر بلا کر صدمہ پہنچایا ہے۔ میں اب تم سے دوستی نہیں رکھوں گا۔ دوست کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے کون سا قصور ہوا۔ اس نے نہرو جی سے اپنا قصور دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ تمھاری الماری میں میری کتاب نہایت خراب حالت میں رکھی ہوئی ہے اور بہت ساری کتابوں کے اوراق پھٹے اور مڑے ہوئے ہیں۔ کتابیں ہماری دوست ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ ذیل کی نظم میں بھی کتاب کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

جان پہچان جمالؔ ناصر ۳؍ جولائی ۱۹۶۲ء کو مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد اسحاق ناصرؔ سے انھیں شاعری کا ذوق ورثے میں ملا اور سِنِ شعور تک پہنچتے پہنچتے وہ شاعری کرنے لگے۔ ان کی نظمیں اکثر بچوں کے رسائل میں شائع ہوتی ہیں۔ ’ربنا لک الحمدٗ‘ ان کی حمد و مناجات کا مجموعہ ہے۔

ذہن و دل میں علم کی شمعیں جلاتی ہے کتاب
تیرگی سے روشنی میں ہم کو لاتی ہے کتاب

طالبانِ علم ہوں یا ہو کوئی استادِ فن
ہر کسی پر علم کے موتی لُٹاتی ہے کتاب

کوئی کب ، کیا کارنامہ اس جہاں میں کر گیا
عظمتِ اسلاف کی یادیں دلاتی ہے کتاب

اس میں تصویریں بھی ہیں ، خاکے بھی ، گُل بوٹے بھی ہیں
نت نئے رنگوں سے سب کا دِل لُبھاتی ہے کتاب

چین کی ، جاپان کی ، ایران و عربستان کی
گھر میں بیٹھے سیر دنیا کی کراتی ہے کتاب

پاس جب کوئی نہ ہو تب دوست بن جاتی ہے یہ
کس قدر تنہائیوں میں کام آتی ہے کتاب

مُسکرا کر مشکلوں کا سامنا کیسے کریں — حوصلوں کی ، عزم کی باتیں سِکھاتی ہے کتاب
نیکیاں کیسے کریں ، کیسے بُرائی سے بچیں — امتیازِ خیر و شر کیا ہے ، بتاتی ہے کتاب
روز کرتی ہے نئی باتوں سے ہم کو آشنا — ہاں ، ہمارا علم ہر لمحہ بڑھاتی ہے کتاب
کس طرح بہتر طریقے سے گزاریں روز و شب — زندگانی کا ہنر ہم کو سکھاتی ہے کتاب
صرف آنکھیں ہی نہیں ، بیدار ذہن و دل بھی ہوں — جاگ جاؤ ، خوابِ غفلت سے جگاتی ہے کتاب
مجھ کو پڑھ کر دولتِ علم و ہنر حاصل کرو
اک یہی پیغام دنیا کو سناتی ہے کتاب

خلاصۂ کلام

علم حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ کتاب ہے۔ اس کے سہارے دنیا کے مختلف علوم تک رسائی حاصل ہوسکتی ہے۔ گُزرے ہوئے زمانے کے بزرگوں کے کارنامے ہمیں کتابوں ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ کتابیں ہمیں دنیا کی سیر کراتی ہیں اور اخلاق کا درس دے کر زندگی گزارنے کا بہتر طریقہ بھی سکھاتی ہیں۔ کتابیں ماضی اور حال کے واقعات بیان کر کے انسان کے ذہن و دل کو بیدار رکھتی ہیں۔ انھیں پڑھ کر آدمی باخبر رہتا ہے۔ آدمی کتابیں پڑھ کر ہی علم سے آشنا ہوتا ہے۔ یہی علم انسان کا عزم و حوصلہ بڑھاتا ہے اور برائیوں سے بچا کر اچھائیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔

معنی و اشارات

تیرگی	تاریکی، اندھیرا	اسلاف	گزرے ہوئے لوگ	عزم	ارادہ
استادِفن	کسی فن کا ماہر	خاکے	تصویریں	امتیاز	فرق
موتی لٹانا	باعزّت کرنا	دِل لبھانا	دل کو خوش کرنا	آشنا	پہچان والا
عظمت	بڑائی	تنہائی	اکیلا پن	بیدار ہونا	جاگنا

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

١۔ اس نظم کے شاعر کی حمد و مناجات کے مجموعے کا نام لکھیے۔
٢۔ کتاب کس کی یاد دلاتی ہے؟
٣۔ کتاب کب دوست بن جاتی ہے؟
٤۔ کتاب ہمیں کون سا ہنر سکھاتی ہے؟
٥۔ کتاب دنیا کو کیا پیغام سناتی ہے؟

مختصر جواب لکھیے :

١۔ 'تیرگی سے روشنی میں ہم کو لاتی ہے کتاب' سے کیا مراد ہے؟

۲۔ حوصلوں اور عزم کی باتوں سے کتاب کیا سکھاتی ہے؟

۳۔ کتاب ہمارا علم کس طرح بڑھاتی ہے؟

نظم کی مدد سے خانہ پُری کیجیے :

۱۔ کوئی کب کیا............اس جہاں میں کر گیا	۲۔ کس قدر............میں کام آتی ہے کتاب
۳۔ نیکیاں کیسے کریں، کیسے............سے بچیں	۴۔ زندگانی کا............ہم کو سکھاتی ہے کتاب

وسعت میرے بیان کی

درج ذیل اشعار کا مطلب بیان کیجیے :

۱۔ طالبانِ علم ہوں یا ہو کوئی استادِ فن ــ ہر کسی پر علم کے موتی لُٹاتی ہے کتاب

۲۔ پاس جب کوئی نہ ہو تب دوست بن جاتی ہے یہ ــ کس قدر تنہائیوں میں کام آتی ہے کتاب

جوڑیاں لگائیے:

۱۔ تاریخ	الف۔ نت نئے رنگوں سے سب کا دِل لُبھاتی ہے کتاب
۲۔ ڈرائنگ	ب۔ زندگانی کا ہنر ہم کو سکھاتی ہے کتاب
۳۔ سفرنامہ	ج۔ حوصلوں کی، عزم کی باتیں سِکھاتی ہے کتاب
۴۔ اخلاق	د۔ عظمتِ اسلاف کی یادیں دلاتی ہے کتاب
۵۔ مہم جوئی	ہ۔ گھر میں بیٹھے سیر دنیا کی کراتی ہے کتاب

زورِ قلم

اپنی کسی پسندیدہ کتاب پر دس سطریں لکھیے۔

غور کر کے بتائیے

۱۔ کتاب کو علم کی شمع کیوں کہا گیا ہے؟

۲۔ علامہ اقبالؔ کی نظم کا وہ شعر لکھیے جس میں 'علم کی شمع' کا ذکر آیا ہے۔

سرگرمی / منصوبہ :

آپ جن اُردو ادیبوں اور شاعروں کو جانتے ہیں، ان کی کتابوں کے نام جدول بنا کر لکھیے۔ ضرورت پڑنے پر اپنے استاد/ سرپرست سے مدد لیں۔

	ادیب	کتاب کا نام	شاعر	کتاب کا نام

لغت کے استعمال کے لیے آپ انٹرنیٹ کی ویب سائٹس دیکھ سکتے ہیں مثلاً: http://www.urduenglishdictionary.org

۱۰ گھڑی

آصف فرّخی

پہلی بات ان تصویروں میں تین مختلف جگہوں پر سورج دیکھ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ

۱۔ دائیں طرف کا سورج کس سمت کا اشارہ دے رہا ہے

۲۔ درمیانی تصویر کے سورج سے کس وقت کا پتا چلتا ہے

۳۔ بائیں طرف کا سورج کس سمت کا اشارہ دے رہا ہے

یہ تصویریں بتاتی ہیں کہ پرانے وقتوں میں دن کے وقت کا تعین کیسے کیا جاتا تھا۔ اسی طرح رات کا وقت معلوم کرنے کے لیے ستاروں کی چال کا سہارا لیا جاتا تھا۔

وقت کو ناپنے کے لیے ہم گھڑی کا استعمال کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں گھڑیاں جیب میں رکھی جاتی تھیں۔ اب موبائل فون میں گھڑی آجانے کی وجہ سے لوگ ہاتھ گھڑیوں کا استعمال بھی کم کرنے لگے ہیں۔ بس موبائل فون میں وقت دیکھ لیتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں کسی کے پاس وقت دیکھنے کا آلہ نہ ہو تو وہاں وقت کیسے معلوم کیا جائے گا؟ ایسے کئی سوالات کے جواب آصف فرخی کے اس مضمون میں تفصیل سے دیے گئے ہیں۔

جان پہچان آصف فرخی ۱۹۵۹ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ وہ پیشے سے ڈاکٹر اور موجودہ دور کے ممتاز ادیب ہیں۔ انھوں نے بہت سے مضامین اور کہانیاں لکھی ہیں۔ 'چیزیں اور لوگ'، 'شہر بیتی' اور 'اسمِ اعظم' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

اس سبق میں مصنف نے مختلف زمانوں میں بننے والی گھڑیوں کی کہانی بڑے دلچسپ انداز میں لکھی ہے۔ اِسے غور سے پڑھنے پر آپ کو اندازہ ہوگا کہ وقت کا حساب رکھنے کے لیے گھڑی کتنی ضروری ہے۔

ایک وقت ایسا تھا کہ انسان صرف شکار اور پناہ گاہوں کی تلاش میں رہا کرتا تھا۔ اتنا شکار کرتا کہ پیٹ بھر جائے اور ایسی جگہ رہتا جہاں حفاظت سے رات گزاری جا سکے۔ لیکن جب وہ ایک مقام پر بس گیا اور اس نے کام کاج شروع کر دیا تو وقت کی پیمائش ضرٗوری ہو گئی۔ وقت، رات اور دن میں تو تقسیم تھا ہی، اب دن کو پہروں اور گھنٹوں میں تقسیم کرنے کی ضرٗورت پڑ گئی۔

وقت کا سب سے بڑا پیمانہ تو سوٗرج تھا۔ دن ڈھلنے اور وقت گزرنے کا حساب اس بات سے رکھا جاتا تھا کہ سورج کہاں پر ہے۔ وقت کو ناپنے کے لیے پہلی گھڑی بھی سورج کے لحاظ سے بنائی گئی۔ یہ دھوٗپ گھڑی، گھنٹوں کا حساب رکھتی تھی اور سائے کے لحاظ سے وقت بتاتی تھی۔ گھٹتے بڑھتے سائے کے حساب سے وقت بتانے والی دھوٗپ گھڑی کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ رات کے وقت یہ بے کار ہو جاتی تھی۔ جن دنوں بادلوں کی وجہ سے سورج نہ دِکھائی دیتا تو دھوٗپ گھڑی بھی رک جاتی اس لیے لوگوں نے وقت کی پیمائش کے دوسرے طریقے ڈھونڈنا شروع کر دیے۔

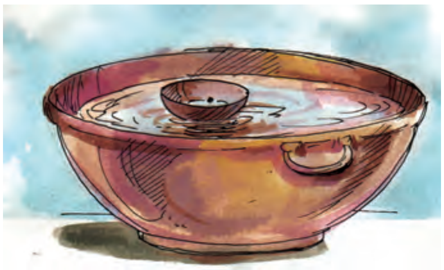

قدیم یونان اور روم میں آبی گھڑی بہت مقبول تھی۔ یہ گھڑی کیا تھی، ایک برتن تھا۔ پانی کی ناند بھر کر اس میں ایک ایسا کٹورا رکھ دیتے جس کی پیندی میں ایک بہت چھوٹا سوراخ ہوتا تھا۔ پانی اس سوراخ سے آہستہ آہستہ کٹورے میں چڑھتا رہتا۔ جب کٹورا بھر کر ڈوب جاتا تو لوگ سمجھ لیتے کہ ایک گھنٹا پورا ہو گیا ہے۔

اس کے بعد شمع گھڑی کا رواج ہوا۔ یہ موم بتّی تھی جس پر مخصوص فاصلے پر نشانات لگے ہوتے تھے۔ ایک نشان سے دوسرے نشان تک شمع کے پگھلنے کا مطلب تھا کہ ایک گھنٹا گزر گیا یعنی موم بتّی کا جلنا اور پگھلنا وقت کے گزرنے کو ظاہر کرتا تھا۔

اس سے زیادہ سستا اور قابلِ اعتماد ذریعہ ریت گھڑی تھی۔ یہ گھڑی شیشے کی ایک نلکی تھی جو درمیان سے اتنی پتلی ہوتی کہ دو حصوں میں بٹی ہوئی نظر آتی۔ اوپر کے حصّے میں ریت بھری ہوتی تھی جو نیچے گرتی رہتی۔ اوپری حصّے کے بالکل خالی ہو کر نچلے حصّے کے بھر جانے میں پورا گھنٹا لگتا تھا۔ جب گھنٹا پورا ہو جاتا، اوپر کی تمام ریت نیچے پہنچ جاتی تو ریت گھڑی کو اُلٹا کر لیا جاتا اور ریت کا گرنا دوبارہ شروع ہو جاتا۔ ریت گھڑی کا رواج اس وقت کم ہوا جب کل پرزوں کی بنی ہوئی گھڑیاں عام ہو گئیں۔

ایسی گھڑیوں کے عام ہونے میں بہت وقت لگا اور ایک عرصے تک انھیں عجوبہ سمجھا جاتا رہا۔ خلیفہ ہارون رشید نے فرانس کے بادشاہ شارلیمین کو تحفے میں بہت خوب صورت گھڑی بھیجی تو اس کا سارا دربار گھڑی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

یورپ میں کل پرزوں کی گھڑی بارہویں صدی میں نمودار ہوئی۔ لوہاروں کی بنائی ہوئی یہ گھڑی کچھ ایسی ٹھیک نہیں تھی مگر اس سے تھوڑا بہت کام لیا جانے لگا۔ ۱۳۰۶ء میں اٹلی کے شہر مِلان میں پہلی مرتبہ گھنٹے کی ٹن ٹن سنائی دی تو اسے بڑا اہم واقعہ سمجھا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب محض سن کر لوگ یہ بتا سکتے ہیں کہ کیا وقت ہوا ہے۔

جلد ہی عوام کی سہولت کے لیے شہروں کے اہم مقامات پر بڑے بڑے گھنٹا گھر تعمیر کیے گئے۔ بعض شہروں میں جو گھنٹا گھر بنائے گئے وہ فنِ تعمیر اور ماہرانہ کاریگری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ہر گھنٹے پر سپاہیوں کی قطار یا تاریخی ہستیوں کی شبیہ نکل کر بتاتی کہ گھنٹا پورا ہو گیا ہے۔ لوگ انھیں دیکھتے اور وقت کا اندازہ لگا لیتے۔ لوگ اب بھی دور دور سے آ کر ان گھنٹا گھروں کو دیکھتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لیے نہیں کہ اب کیا وقت ہوا ہے بلکہ ایک گزرے ہوئے زمانے کے آثار کے طور پر۔

لوہاروں نے ابتدا میں جو گھڑیاں بنائی تھیں وہ بڑی اور بھاری تھیں اور پہیوں کے گرد گھومنے والے وزن سے چلتی تھیں۔ ان کو بہتر بنانے کے لیے کام ہوتا رہا۔ بھاری وزن کے لیے اسپرنگ استعمال ہوا تو گھڑی کا چھوٹا کرنا ممکن ہو گیا۔ پنڈولم لگائے گئے تو گھڑی کی رفتار بہتر ہو گئی اور منٹ بتانے والی چھوٹی سوئی کے اضافے سے اب گھڑیاں گھنٹوں کا حساب رکھنے کی بجائے منٹ منٹ کا حساب رکھنے لگیں۔

گھنٹوں کی بجائے چھوٹی گھڑیاں بننے لگیں اوران کا سنبھالنا آسان ہوگیا تو ان کا استعمال بھی بڑھ گیا۔ اب ہر شخص چاہتا تھا کہ اس کے گھر کی دیوار پر ایک گھڑی ضرور لٹک رہی ہو۔ اس طرح گھڑی سازی اہم پیشہ بن گیا۔

پہلی باقاعدہ گھڑی جرمنی کے ایک قفل ساز نے ۱۵۰۰ء کے لگ بھگ بنائی۔ یہ گھڑی کالر کی بیضوی شکل کی تھی اور گلے میں ہار کی طرح پہنی جاتی تھی یا کالر کے گرد لٹکائی جاتی تھی۔ اس گھڑی نے جلد ہی ایک زیور کی صورت اختیار کر لی۔ مشہور ومعروف سُنار اور دست کار ان گھڑیوں کو طرح طرح کے نمونوں میں بناتے اور سونے چاندی کے کام پر جواہر جڑتے۔ یہ گھڑی کیا تھی فن پارہ تھی اور ایسی گھڑی کا مالک ہونا بڑی بات تھی۔ جن لوگوں کی طبیعت میں دِکھاوا ہوتا، وہ ایک ہی وقت میں کئی گھڑیاں پہنتے۔ گھڑیاں الگ الگ شکلوں کی ہوتی ہوں گی مگر ان سب میں وقت ایک ہی ہوتا۔

ایک گھڑی بنانے کے لیے ایک ماہر اور ہنرمند کاریگر کو بہت وقت درکار ہوتا تھا۔ صنعتی ترقّی کی بدولت یہ ممکن ہوا کہ اتنی قیمت کی گھڑیاں بننے لگیں کہ ایک عام آدمی کی دسترس میں ہوں۔ گھڑی زیور کی بجائے ضرورت کی چیز بن گئی مگر پھر بھی گھڑی بہت قیمتی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ سونے کی زنجیر سے لٹکی ہوئی، ڈبیا کی طرح کھلنے والی اور چابی سے چلنے والی جیبی گھڑیاں اب سے تھوڑے عرصے پہلے تک اعلیٰ لباس کا حصہ سمجھی جاتی تھیں۔

اب گھڑیاں جیبوں سے نکل کر کلائی پر آ گئی ہیں یعنی اب وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ وقت کیا ہاتھ آیا، طرح طرح کی گھڑیاں سامنے آ گئیں۔ بغیر چابی کے چلنے والی، اندھیرے میں چمکنے والی، پانی سے خراب نہ ہونے والی اور چوٹ سہار جانے والی گھڑیاں اب عام ہیں۔ آج کی گھڑیاں دیکھنے میں سبک بھی نظر آتی ہیں اور وقت کی پیمائش میں اتنی حسّاس ہیں کہ سیکنڈ کے حصّے کا بھی حساب رکھتی ہیں۔

دھوپ گھڑی سے کلائی گھڑی تک آنے میں بہت وقت لگا ہے۔

معنی واشارات

پیمائش	-	ناپ	شبیہ	-	صورت، شکل
مقبول	-	پسندیدہ	پنڈولم	-	رقاص
ناند	-	گنگال، پانی رکھنے کا بڑا برتن	دست کار	-	ہنرمند
اعتماد	-	بھروسا	فن پارہ	-	ہنر کا عمدہ نمونہ
ششدر رہ جانا	-	حیران رہ جانا	دسترس	-	پہنچ

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ مصنّف کس پیشے سے تعلق رکھتے ہیں؟

۲۔ پرانے زمانے میں وقت کا اہم پیمانہ کیا تھا؟

۳۔ قدیم یونان اور روم میں کون سی گھڑی بہت مقبول تھی؟

۴۔ ایک نشان سے دوسرے نشان تک شمع کے پگھلنے کا کیا مطلب تھا؟

۵۔ خلیفہ ہارون رشید نے خوب صورت گھڑی کس کو بھیجی تھی؟

۶۔ لوہاروں کی بنائی ہوئی گھڑیاں کیسی تھیں؟

۷۔ دھوپ گھڑی کب بیکار ہو جاتی تھی؟

۸۔ ریت گھڑی کو کب اُلٹا کرتے تھے؟

۹۔ ریت گھڑی کا رواج کب کم ہوا؟

۱۰۔ یورپ میں کل پرزوں کی گھڑی کب نمودار ہوئی؟

۱۱۔ اہم مقامات پر گھنٹا گھر کیوں تعمیر کیے جاتے تھے؟

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ لوگ اب بھی دور دور سے آ کر اِن گھنٹا گھروں کو کیوں دیکھتے ہیں؟

۲۔ مصنف نے یہ کیوں کہا ہے کہ ”وقت کیا ہاتھ آیا، طرح طرح کی گھڑیاں سامنے آ گئیں“؟

۳۔ آج کل کون کون سی گھڑیاں بازار میں دستیاب ہیں؟

۴۔ مصنف نے چھوٹی گھڑیوں کی کیا خوبیاں بتائی ہیں؟

ترتیب دیجیے

سبق کے درج ذیل الفاظ کی مدد سے صحیح جملے بنائیے:

۱۔ تھا سورج تو پیمانہ سے بڑا وقت کا سب۔

۲۔ ہوا رواج کا گھڑی بعد شمع اس کے

۳۔ ہاتھ وقت کیا طرح کی طرح آیا سامنے گھڑیاں آ گئیں۔

زورِ قلم

۱۔ ریت گھڑی کی ساخت اور طریقۂ کار کے بارے میں لکھیے۔

۲۔ پرانے زمانے میں وقت معلوم کرنے کے لیے کون سے طریقے اختیار کیے جاتے تھے؟ دس سطروں میں لکھیے۔

بات سے بات چلے

اپنے گروہ میں وقت کی اہمیت پر بات چیت کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ دھوپ گھڑی، آبی گھڑی، شمع گھڑی اور ریت گھڑی کی تصویریں حاصل کر کے اپنی بیاض میں چسپاں کیجیے۔

۲۔ انگلینڈ کی گھڑی 'بگ بین' بہت مشہور ہے۔ اس کے بارے میں اپنے استاد/سرپرست سے معلومات حاصل کیجیے۔

آیئے، زبان سیکھیں

اسمِ کیفیت :

- ان جملوں میں خط کشیدہ لفظوں پر توجہ دیجیے :

۱۔ وہ بیتابی سے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔

۲۔ مریض کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

۳۔ لڑکا بےچینی سے انتظار کر رہا تھا۔

۴۔ پہرے دار خوشی سے پھولا نہ سمایا۔

۵۔ وہ بڑی بہادری سے لڑے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ کسی چیز، شخص یا جگہ کے نام کو 'اسم' کہتے ہیں۔ اوپر دیے گئے تمام خط کشیدہ الفاظ بھی اسم ہیں مگر یہ چیزوں اور شخصوں وغیرہ کے نام نہیں ہیں۔ ان اسموں کی حالت کو ہم صرف اپنے ذہن سے سمجھ سکتے ہیں یا محسوس کر سکتے ہیں۔ اس لیے انھیں 'اسمِ کیفیت' کہا جاتا ہے۔ اوپر کے ایک جملے : 'وہ بیتابی سے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔' میں لفظ بیتابی سے دوڑنے والے کی حالت یا کیفیت کا پتا چلتا ہے۔ دوڑنے والے کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کی حرکات سے ہم اس کی حالت جان لیتے ہیں۔

- بتایئے کہ ان جملوں میں کون سے الفاظ اسمِ کیفیت ہیں۔

۱۔ دھوپ گھڑی کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ رات کے وقت بیکار ہو جاتی۔

۲۔ دھوپ گھڑی گھنٹوں کا حساب رکھتی تھی۔

۳۔ عوام کی سہولت کے لیے گھنٹا گھر تعمیر کیے گئے۔

۴۔ لوگ انھیں دیکھتے اور وقت کا اندازہ لگا لیتے۔

- ذیل کے الفاظ میں اسمِ کیفیت تلاش کر کے لکھیے :

بیمار، تیار، پریشانی، برائی، فوج، ہنسی، بڑائی، مجرم، پہرے دار، وفاداری، چوری چھپے

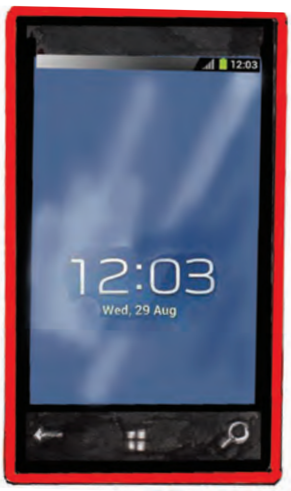

۱۱

گرمی

محوؔی صدیقی

پہلی بات

آج کل اطراف کے زمینی اور فضائی ماحول کی خرابی کی وجہ سے پوری دنیا میں گرمی کے شدید طور پر بڑھ جانے کی شکایت عام ہوگئی ہے۔ اس صورت حال کو عالمی حرارت افزونی یا گلوبل وارمنگ کہتے ہیں۔ یہ واقعہ زمین پر موجود ہوا میں کچھ خاص گیسوں کے بڑھ جانے سے ظہور میں آتا ہے اور اس کے شدید اثرات انسانی زندگی پر پڑتے ہیں۔ ماحول کی گرمی موسموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ سردی اور بارش کے موسم کی ٹھنڈک کم ہوجاتی اور ہر موسم میں گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ گلوبل وارمنگ پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو پگھلا کر دریاؤں اور سمندروں میں طوفانی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ موسموں کے زمانی تعین میں فرق آجاتا ہے۔ فصلوں اور دوسری پیداواروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ نظم 'گرمی' میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں وغیرہ پر اس موسم کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔

جان پہچان

اس نظم کے شاعر محمد حسین صدیقی محوؔی ۱۵؍مئی ۱۸۹۱ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر پر حاصل کی پھر لکھنؤ کے مشہور مدرسۂ نظامیہ میں داخل کیے گئے۔ اس کے بعد بھوپال آکر انھوں نے فارسی کی تعلیم مکمل کی۔ انھوں نے صحافت کو اپنا پیشہ بنایا اور ترجمے کا کام بھی کیا۔ پھر کانپور کے ایک مدرسے میں مدرّس رہنے کے بعد وہ مدراس پہنچے اور وہاں یونی ورسٹی میں لیکچرر ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۹؍نومبر ۱۹۷۵ء کو بھوپال میں ہوا۔ محوؔی صدیقی نے بچوں کے لیے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جو 'بالک باغ' کے نام سے شائع ہوئیں۔

کیا ہی گرمی پڑ رہی ہے آج کل
کل نہیں ملتی کسی کو ایک پل

تپ رہی ہے ریت ، پتّھر گرم ہیں
گھر کی دیواریں ، چھتیں ، در گرم ہیں

لؤ کچھ ایسی گرم ، جھلسا دے ہمیں
دھوپ ایسی تیز ، پگھلا دے ہمیں

سیر کو باغوں میں کوئی جائے کیا
چل رہی ہے گرم شعلہ سی ہوا

ہوتا ہے چھڑکاؤ اکثر شام کو
صحن میں ٹھنڈک نہیں ہے نام کو

لو اِدھر چھڑکا ، اُدھر سؤکھی زمیں
کیوں نہ ہو ، دن بھر کی پیاسی تھی زمیں

پیتے ہیں شربت کا جب ٹھنڈا گلاس
تب کہیں جاکر بجھے دم بھر کو پیاس

ہر بچھونا ، چارپائی گرم ہے
چادریں ، تکیے ، رضائی گرم ہے

ہم رہے بے چین آدھی رات تک
تب کہیں مشکل سے جھپکی ہے پلک

ندّیاں سؤکھی ہیں ، نالے خشک ہیں
کھیت اور باغوں کے تھالے خشک ہیں

سؤکھ کر کانٹا ہوئے ہیں جانور
ہے بلا کی پیاس ، گرمی اس قدر

تپ رہے ہیں آگ سے سارے پہاڑ
جل رہے ہیں دھوپ کے مارے پہاڑ

دور ہو اللہ ، یہ گرمی کہیں
مینہ پڑ جائے تو کچھ تر ہو زمیں

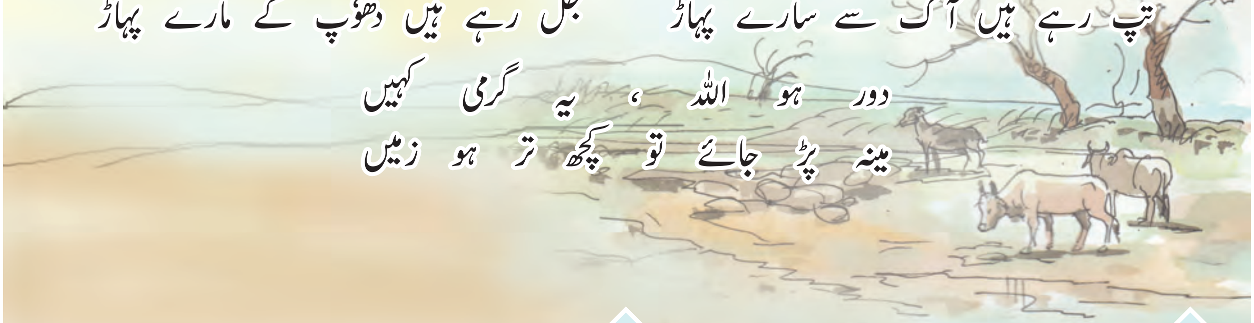

خلاصۂ کلام

اس نظم میں گرمی کے مختلف اثرات بیان کیے گئے ہیں کہ اس موسم میں گھر، باغ، جنگل، پہاڑ اور ندی نالوں کی کیا صورت ہو جاتی ہے۔ گرمی کی شدت سے جانور، انسان اور پیڑ پودے سوکھ جاتے ہیں۔ شدید پیاس لگتی ہے اور بار بار پانی پینے سے بھی نہیں بجھتی۔ دن میں سخت دھوپ ہوتی ہے اور رات میں لؤ کے جھکڑ چلتے ہیں جس سے جانداروں کی نیند خراب ہوتی ہے۔ گرمی سے تنگ آ کر سب دعا کرتے ہیں کہ اے خدا ایسی گرمی سے ہمیں نجات دے۔

معنی و اشارات

کیا ہی - کتنی، بہت

کل نہیں ملتی - چین نہیں آتا

نام کو - ذرا سا

پلک جھپکنا - اونگھ آ جانا

سوکھ کر کانٹا ہونا - بہت دبلا ہو جانا

بَلا کی - بہت زیادہ

تھالے - درختوں، پودوں کے گرد وہ گڑھے جن میں پانی بھرا ہوتا ہے۔

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ محوی صدیقی نے بچوں کے لیے کون سی کتاب لکھی؟

۲۔ گرمی میں گھر کی کیا حالت ہوتی ہے؟

۳۔ لوگ باغ کی سیر کو کیوں نہیں جا رہے ہیں؟

۴۔ گرمی پڑنے پر صحن کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کیا کِیا جاتا ہے؟

۵۔ پہاڑوں پر گرمی کا کیا اثر ہوتا ہے؟

۶۔ شاعر نے گرمی سے نجات کی دعا کیوں مانگی؟

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ چھڑکاؤ کے فوراً بعد زمین کیوں سوکھ جاتی ہے؟

۲۔ گرمی کی راتوں کے بارے میں شاعر نے کیا کہا ہے؟

۳۔ گرمی میں نالوں اور کھیتوں کی کیا حالت ہے؟

نظم کی مدد سے اشعار مکمل کیجیے:

۱۔ ہوتا ہے چھڑکاؤ اکثر .... کو

۲۔ ندّیاں سوکھی ہیں نالے .... ہیں

۳۔ سوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں ....

۴۔ تپ رہے ہیں آگ سے سارے ....

تلاش و جستجو

نظم کی مدد سے نیچے دیے ہوئے الفاظ کی ضد لکھیے:

دن صبح سردی تر آج چھاؤں

زورِ قلم

اس نظم میں بتایا گیا ہے کہ گرمی مختلف چیزوں پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔انھیں اپنے لفظوں میں لکھیے۔

سرگرمی /منصوبہ:

گرمی کے موسم میں پائے جانے والے پھلوں کے نام اپنی بیاض میں لکھیے۔

اضافی معلومات

روزمرہ:

نظم 'گرمی' کے ان پانچ مصرعوں کو پڑھیے:

۱۔ کل نہیں ملتی کسی کو ایک پل

۲۔ صحن میں ٹھنڈک نہیں ہے نام کو

۳۔ تب کہیں جا کر بجھے دم بھر کو پیاس

۴۔ سوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں جانور

۵۔ ہے بلا کی پیاس، گرمی اس قدر

ان مصرعوں میں کل نہیں ملنا/سوکھ کر کانٹا ہونا محاورے ہیں اور نام کو/ دم بھر کو/ بلا کی لفظوں کے یہ مجموعے 'روزمرہ' کہلاتے ہیں۔

تلاش و جستجو

پڑھے گئے اسباق سے چند محاورے اور روزمرہ کے فقرے تلاش کر کے لکھیے۔

۱۲ جادوگروں کا الیکشن

کرشن چندر

پہلی بات

ایک زمانے میں بادشاہ اور راجا ملکوں پر حکومت کیا کرتے تھے مگر اب راجاؤں اور بادشاہوں کا دور ختم ہو گیا ہے۔ اب عوام خود اپنے نمائندے چنتے ہیں۔ یہ نمائندے مل کر حکومت چلاتے اور عوام کے مسائل حل کرتے ہیں۔ نمائندے چننے کے اس عمل کو انتخاب یا الیکشن کہا جاتا ہے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے نمائندے منتخب کریں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ الیکشن کے زمانے میں لوگ کھلے میدانوں میں جمع ہوتے ہیں۔ امیدوار عوام کے سامنے تقریر کرتے ہیں اور ان سے ووٹ مانگتے ہیں۔

جان پہچان

کرشن چندر اُردو کے افسانہ نگاروں میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ وہ ۲۳/نومبر ۱۹۱۴ء کو وزیر آباد پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم پونچھ (کشمیر) میں ہوئی۔ ۱۹۳۴ء میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم.اے. کیا۔ کچھ عرصے تک وہ لاہور کے آل انڈیا ریڈیو میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں انھیں 'پدم بھوشن' کا اعزاز ملا۔ کرشن چندر نے ناول، ڈرامے، مضامین اور افسانے سبھی کچھ لکھا لیکن وہ بنیادی طور پر افسانہ نگار تھے۔ 'شکست'، 'ہم وحشی ہیں'، 'ہوائی قلعے'، 'ایک گدھے کی سرگزشت' اور 'اُلٹا درخت' وغیرہ ان کی مشہور کتابوں کے نام ہیں۔ ان کا انتقال ۸/ مارچ ۱۹۷۷ء کو ممبئی میں ہوا۔

ذیل کا سبق کرشن چندر کے ناول 'اُلٹا درخت' سے لیا گیا ہے جس میں جادوگروں کو عوام سے ووٹ مانگتے ہوئے دِکھایا گیا ہے۔

سامنے بہت سے لوگ رنگ برنگی جھنڈیاں ہلاتے ہوئے جا رہے تھے۔ یوسف، موہن اور شہزادی بھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مجمع زور زور سے نعرے لگا رہا تھا، "الٰہ دین کو ووٹ دو.... الٰہ دین زندہ باد۔"

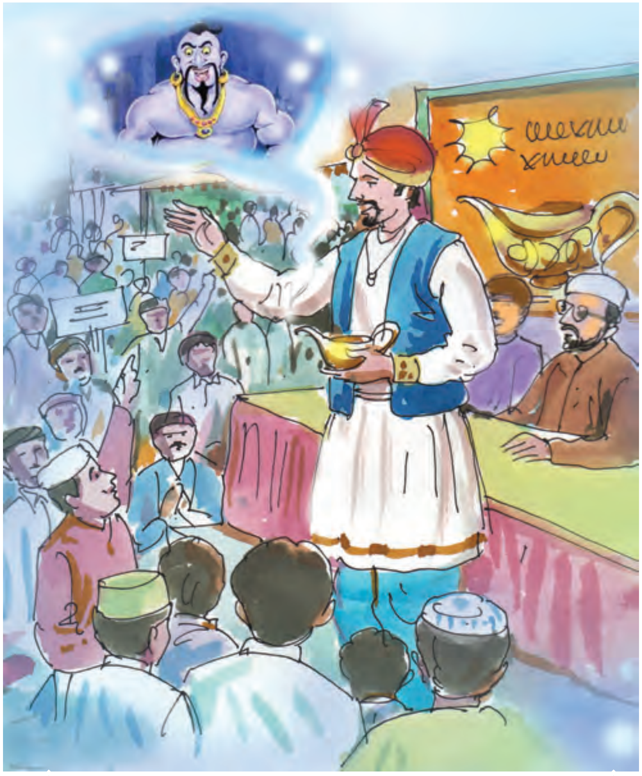

مجمع نعرے لگاتا، جھنڈیاں ہلاتا شہر کے ایک بڑے چوک میں پہنچا۔ یوسف نے دیکھا لوگ بھوکے نظر آ رہے ہیں۔ اُن کے کپڑے بوسیدہ اور تار تار ہیں پھر بھی وہ خوش ہیں۔ یوسف نے پوچھا، "بھئی! کیا ماجرا ہے؟"

ایک آدمی نے حیرت سے کہا، "ساری دنیا کو معلوم ہے اور تمھیں معلوم نہیں؟ آج جادوگروں کا الیکشن ہے۔ وہ دیکھو، سامنے الٰہ دین اپنا چراغ ہاتھ میں لیے الیکشن لڑ رہا ہے۔" یوسف نے دیکھا، واقعی بڑے بڑے رنگا رنگ جھنڈوں کے درمیان الٰہ دین کھڑا تقریر کر رہا ہے۔ "بھائیو اور بہنو! میں بھی تمھاری طرح ایک معمولی آدمی ہوں۔ میں ایک درزی کا بیٹا ہوں۔ میں تمھارے دُکھ درد پہچانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے، تم لوگ بھوکے ہو، تمھارے جسم پر کپڑے نہیں

ہیں، بچوں کے لیے تعلیم نہیں ہے، پچھلی حکومت نے تمھارے لیے کچھ نہیں کیا مگر وہ سونے کے دیو کی حکومت تھی۔ میں اپنے اس جادو کے چراغ کی مدد سے تمھارے لیے ہر طرح کے عیش کا سامان مہیا کروں گا۔ دیکھو، میرے جادو کے چراغ کے کرشمے!" یہ کہہ کر الٰہ دین نے چراغ کو اپنی ہتھیلی سے رگڑا۔ فوراً ایک جن ہوا میں اُڑتا ہوا نظر آیا اور کہنے لگا، "الٰہ دین کیا حکم ہے؟"

الٰہ دین نے کہا، "میں شہر کے بے گھر لوگوں کے لیے عالی شان محل بنانا چاہتا ہوں۔ ذرا ایک محل تو لا کے دکھا دو۔"

جن غائب ہوگیا۔ دوسرے لمحے وہی جن اپنے ہاتھ پر ایک عالی شان سات منزلوں والا چمکتا ہوا محل لیے حاضر ہوا۔ لوگوں کی نگاہیں اس خوبصورت محل کی طرف کھنچتی چلی گئیں۔ محل کے دروازے کھلے تھے۔ کھڑکیاں کھلی تھیں۔ محل کے اندر روشنیاں جگ مگ جگ مگ کر رہی تھیں۔ خوب صورت قالین اور صوفے بچھے تھے۔ میزوں پر طرح طرح کے پھل چنے ہوئے تھے۔ پلاؤ، متنجن، زردے، قورمے، طرح طرح کی سبزیاں، فالودے، فیرنیاں، شربت، آئس کریم گھومتی ہوئی میزوں پر رکھی ہوئی لوگوں کو نظر آ رہی تھیں۔ لوگوں کی رال ٹپکنے لگی۔ لاکھوں گلوں سے آواز آئی، "الٰہ دین کو ووٹ دو، الٰہ دین زندہ باد۔ ایک ووٹ، ایک ملک، ایک الٰہ دین، ایک چراغ۔" یکایک الٰہ دین نے تالی بجائی۔ جن اپنے محل سمیت غائب ہوگیا۔ الٰہ دین نے کہا، "پہلے مجھے ووٹ دو۔ پھر یہ محل تمھیں ملے گا۔" لوگ دھڑا دھڑ ووٹ دینے کے لیے جانے لگے۔

یکایک دوسری طرف سے آواز آئی، "لوگو! بے وقوف نہ بنو۔ یہ الٰہ دین، درزی کا بیٹا تمھیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ اصلی جادو تو میرے پاس ہے۔ جادو کی ٹوپی! سلیمانی ٹوپی!"

مجمع دوسری طرف پلٹ پڑا۔ جہاں ایک بہت بڑے بینڈ باجے کے ساتھ، ایک بہت بڑے چبوترے پر دو درجن لاؤڈ اسپیکروں کے سامنے ایک جادوگر سلیمانی ٹوپی ہاتھ میں لیے تقریر کر رہا تھا۔ یوسف، موہن اور شہزادی بھی ادھر چلے گئے۔ وہ کہہ رہا تھا، "الٰہ دین ٹھگ ہے، اسے ہرگز ووٹ نہ دینا۔ الٰہ دین کا چراغ پرانا ہو چکا ہے۔ اس کا جن بھی بڈھا ہو چکا ہے۔ اتنے دنوں میں وہ تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکا، اب کیا کرے گا؟ اب کے تم مجھے ووٹ دو کیوں کہ میرے پاس سلیمانی ٹوپی ہے۔"

موہن نے کہا، "اس ٹوپی میں کیا خاص بات ہے؟ مجھے تو سیدھی سادھی سفید رنگ کی ٹوپی دِکھائی دیتی ہے۔"

جادوگر نے موہن کی بات سن لی۔ وہ وہیں چبوترے سے چلّا کر بولا، "یہ کوئی معمولی ٹوپی نہیں ہے۔ اسے پہن کر آدمی یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ دیکھو دیکھو، سلیمانی ٹوپی کا کمال دیکھو۔" یہ کہہ کر جادوگر نے سلیمانی ٹوپی

پہن لی اور مجمع کے درمیان سے غائب ہوگیا۔ اب صرف اس کی آواز آ رہی تھی۔

"دیکھا، یہ سلیمانی ٹوپی کا کمال ہے!" جادوگر نے سر سے ٹوپی اُتاری اور اب وہ لوگوں کو نظر آنے لگا۔ "اس ٹوپی کو پہن کر آدمی غائب ہوسکتا ہے۔ جہاں چاہے گھوم سکتا ہے۔ وہ ساری دنیا کی سیر کرسکتا ہے۔ وہ جہاں چاہے بغیر ٹکٹ کے جا سکتا ہے اور اسے کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ اس ٹوپی کو پہن کر آدمی بڑے بڑے راز معلوم کرسکتا ہے۔ اس ٹوپی کو پہن کر آدمی وزیر بن سکتا ہے، نوکری حاصل کرسکتا ہے۔ یہ سلیمانی ٹوپی ہے۔ اس کے سامنے الٰہ دین کا چراغ بالکل ہیچ ہے۔ اسے رگڑنے کی ضرورت نہیں۔ کسی جن کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ بس اسے سر پر پہن لیجیے۔ آپ کے سب کام پورے ہوجائیں گے۔ پھر الٰہ دین کے پاس ایک ہی چراغ ہے لیکن میں نے سب کے فائدے کے لیے ہزاروں سلیمانی ٹوپیاں تیار کرائی ہیں .... آئیے، مجھے ووٹ دیجیے اور ایک سلیمانی ٹوپی لیتے جائیے۔ ایک ووٹ، ایک سلیمانی ٹوپی!"

لوگ ووٹ دینے کے لیے بھاگنے اور شور مچانے لگے۔ "سلیمانی ٹوپی زندہ باد! الٰہ دین کا چراغ مردہ باد!"

"ہاہاہا" .... تیسرے چبوترے سے ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ سب لوگ ادھر دیکھنے لگے۔ وہاں ایک اور جادوگر سر پر سفید کاغذ کی ٹوپی رکھے، سفید کاغذ کا کوٹ پہنے، آنکھوں پر چشمہ لگائے، ہاتھ میں اخبار لیے ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا، "دوستو! یہ سلیمانی ٹوپی والا بہروپیا ہے، بہروپیا.... یہ خود تو ووٹ لے کر غائب ہوجائے گا اور آپ کو کپڑے کی ٹوپیاں دے جائے گا۔ چاہے آپ ان کو سر پر پہنیے، چاہے تھیلی بنا کر گھر لے جائیے۔ دوستو! یہ سلیمانی ٹوپی کس کام کی؟ غائب ہوکر آپ کیا کریں گے؟ اگر آپ کو اس جادو کی دنیا میں رہنا ہے تو سچا جادو تلاش کرنے کی کوشش کیجیے اور سچے جادوگر کو اپنا بادشاہ بنائیے۔ مجھے دیکھیے۔ میرا جادو کسی کو غائب نہیں کرتا۔ کوئی ہوائی محل نہیں دِکھاتا۔ مَیں ابھی آپ کے سامنے وہ چیز رکھتا ہوں جس کی آپ کو ضرورت ہے۔" جادوگر نے اُنگلی سے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "کہو تم کیا چاہتے ہو؟"

اُس آدمی نے کہا، "مجھے اپنی زمین میں کنواں چاہیے۔"

جادوگر نے اپنے چبوترے پر پڑے کاغذ کے انبار میں سے ایک بڑا سا کاغذ نکالا اور اُس پر کچھ منتر پڑھ کر پھونکا اور اس آدمی کو دیا۔ یکایک اُسے اپنے بنجر کھیتوں کے بیچ میں ایک کنواں نظر آیا۔ کنویں پر رہٹ چلنے لگا۔ پانی فوّارے کی طرح نکل کر کھیتوں کو سیراب کرنے لگا۔ آدمی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ اُس نے دیکھا، اُس کے جھونپڑے سے اُس کی بیوی نکلی، پانی کا گھڑا لیے ہوئے۔ بیوی نے مسکرا کر خاوند کی طرف دیکھا۔ اور خاوند اُسی وقت وہ کاغذ ہاتھ میں لے کے اپنے گھر کی

طرف بھاگا۔ وہ بھاگتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، "مجھے میرا کنواں مل گیا!"

"تمھیں کیا چاہیے؟" جادوگر نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔ اُس آدمی نے کہا، "ہمارے قصبے میں کوئی اسکول نہیں ہے۔" جادوگر نے کاغذ کا دوسرا پرزہ اُٹھایا اور اُس پر منتر پڑھ کر پھونکا اور پھر وہ پرزہ اس آدمی کے ہاتھ میں دے دیا۔ آدمی اسی وقت وہ کاغذ اپنے ہاتھ میں لے کر وہاں سے بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے وہ کہہ رہا تھا، "ہمیں اسکول مل گیا! ہمیں اسکول مل گیا!"

پھر کیا تھا۔ مجمع جادوگر پر ٹوٹ پڑا۔ ایک بولا، "مجھے جوتا چاہیے۔" جادوگر نے اسے کاغذ کا پرزہ دیا۔ دوسرا بولا، "مجھے موٹر چاہیے۔" تیسرا بولا، "ہمیں اپنے گاؤں میں ایک ہسپتال چاہیے۔"

موہن نے یوسف سے کہا، "تمھیں کاغذ پر کچھ نظر آتا ہے؟"

یوسف نے کہا، "مجھے تو سفید کاغذ ہی نظر آتا ہے۔"

موہن نے کہا، "ممکن ہے ان لوگوں کو کچھ نظر آتا ہو۔ اگر مان لیا جائے کہ اُنھیں کچھ نظر آتا ہے، تو آخر کاغذ ہی پر نظر آتا ہے نا، اس کی حقیقت کیا ہے؟" یوسف نے اس آدمی کو بازو سے پکڑ لیا جس نے جادوگر سے جوتا مانگا تھا اور اُس سے پوچھا، "تمھیں جوتا مل گیا؟" اُس آدمی نے بڑے غصّے سے کاغذ کا پرزہ یوسف کے منہ کے سامنے لا کر کہا، "دیکھتے نہیں ہو۔ مل گیا ہے۔ یہ دیکھو۔"

یوسف کو سفید کاغذ ہی نظر آیا۔

یوسف نے کہا، "اگر یہ جوتا ہے تو اسے پہن کر دکھاؤ۔"

اس آدمی نے کاغذ کے ٹکڑے کو اپنے پیر میں پہننے کی کوشش کی۔ کاغذ بیچ سے پھٹ گیا۔ چرر کی آواز سنتے ہی جادوگر زور سے گرجا، "کون حقیقت پسند گھس آیا ہماری جادو کی دنیا میں۔ اسے جلدی نکالو ورنہ یہ سب کچھ تباہ کردے گا۔ ہمارا جادو سب ختم ہوجائے گا۔"

اتنا سنتے ہی اللہ دین چراغ والا، سلیمانی ٹوپی والا، جادو کے کاغذ والا اور اُن کے حمایتی یوسف، موہن اور شہزادی کے پیچھے بھاگے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ یوسف نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ اُس نے جلدی سے سلیمانی ٹوپیوں کے بنڈل سے تین ٹوپیاں نکالیں اور اُنھیں پہن کر تینوں مجمع کے بیچ سے غائب ہوگئے۔

معنی و اشارات

بوسیدہ	–	پرانا
تارتار	–	پھٹا ہوا
مُتنجن	–	کھٹ میٹھا پلاؤ
بہروپیا	–	بھیس بدلنے والا، مکّار، فریبی
حمایتی	–	طرفداری کرنے والا، ساتھ دینے والا
عیش	–	آرام
مہیا کرنا	–	حاضر کرنا، تیار کرنا
ہیچ	–	کم قیمت، بے حیثیت
چہرے پر رونق آنا	–	چہرہ خوشی سے کِھل جانا

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ کرشن چندر کی مشہور کتابیں کون سی ہیں؟
۲۔ سبق جادوگروں کا الیکشن مصنف کے کس ناول سے لیا گیا ہے؟
۳۔ مجمع کیا نعرے لگا رہا تھا؟
۴۔ الٰہ دین کس کا بیٹا ہے؟
۵۔ جن نے الٰہ دین سے کیا کہا؟
۶۔ بینڈ باجا کس کے ساتھ تھا؟
۷۔ اس کہانی میں آدمی غائب کیسے ہو جاتا ہے؟
۸۔ پہلے آدمی نے تیسرے جادوگر سے کیا مانگا؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ یوسف نے کیا دیکھا؟
۲۔ الیکشن میں کون کون حصہ لے رہا تھا؟
۳۔ چراغ سے جن کیسے برآمد ہوا اور اس نے کیا کہا؟
۴۔ سلیمانی ٹوپی کو پہن کر آدمی کیا کیا کر سکتا ہے؟
۵۔ جادوگر نے یوسف کو حقیقت پسند کیوں کہا؟

تفصیل سے جواب لکھیے :

۱۔ جادو کے محل کی تفصیل بیان کیجیے۔
۲۔ اپنی زمین پر کنواں مانگنے والے کو کاغذ پر کیا کیا نظر آ رہا تھا؟

درج ذیل جملے کس نے کس سے کہے؟

۱۔ ”بھئی کیا ماجرا ہے؟“
۲۔ ”الٰہ دین کیا حکم ہے؟“
۳۔ ”ذرا ایک محل تو لا کے دِکھا دو۔“
۴۔ ”اصلی جادو تو میرے پاس ہے۔“
۵۔ ”تمھیں کاغذ پر کچھ نظر آتا ہے؟“

سبق کی مدد سے صحیح لفظ کا انتخاب کر کے ذیل کے جملوں کو مکمل کیجیے :

۱۔ وہ سونے کے دیو کی..................تھی۔
حکومت / جاگیر
۲۔ میں ایک..................کا بیٹا ہوں۔
درزی / کسان
۳۔ جن اپنے محل سمیت..................ہو گیا۔
حاضر / غائب
۴۔ یہ سلیمانی ٹوپی کا..................ہے۔
جادو / کمال
۵۔ ہمیں اپنے گاؤں میں ایک..............چاہیے۔
ہسپتال / مدرسہ
۶۔ مجھے تو..................کاغذ ہی نظر آتا ہے۔
سرخ / سفید

وسعت میرے بیان کی

سبق کی روشنی میں ان جملوں کا مطلب بتائیے :

۱۔ ”تمھارے لیے ہر طرح کے عیش کا سامان مہیا کروں گا۔“
۲۔ ”اسے پہن کر آدمی یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔“

حل کیجیے :

۱۔ لفظ 'کرشمہ' کا ہم معنی لفظ لکھیے۔
(الف) ترقی (ب) کمال (ج) خوبی
۲۔ 'آرام حرام ہے'، یہ کیا ہے؟
(الف) شعر (ب) خبر (ج) نعرہ

۳۔ لوگوں کی بھیڑ کے لیے مناسب لفظ چنیے۔ (الف) مجمع (ب) ٹولی (ج) لشکر

۴۔ کرشن چندر کو اِن میں سے کون سا اعزاز حاصل ہوا تھا؟

(الف) پدم بھوشن (ب) بھارت رتن (ج) پدم شری

زورِ قلم

اپنے استاد سے اس سبق کا اصل مفہوم معلوم کیجیے اور اسے اپنے الفاظ میں لکھ کر اپنے والدین کو سنائیے۔

خود آموزی

اسکول کی لائبریری سے بچوں کے لیے لکھی ہوئی کوئی کتاب حاصل کر کے پڑھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

جادو دکھانے والے کو 'جادوگر' کہتے ہیں۔ اس طرح مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لغت میں تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

بازی گر کاری گر کیمیا گر نوحہ گر

آیئے، زبان سیکھیں

ضمیر : آپ جانتے ہیں کہ اسم کے بدلے استعمال کیے جانے والے لفظوں کو **ضمیر** کہتے ہیں۔ جیسے میں، ہم، تم، وہ، آپ، وغیرہ۔ اب ذیل کے جملوں کو غور سے پڑھیے: اس ٹوپی میں کیا خاص بات ہے؟ یہ سلیمانی ٹوپی کس کام کی؟ کون حقیقت پسند گھس آیا ہماری جادو کی دنیا میں؟ ان جملوں میں الفاظ 'کیا'، 'کس'، 'کون' سوال پوچھنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ وہ ضمیر جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے اُسے **ضمیرِ استفہام** کہتے ہیں۔ ان جملوں میں **'کیا'، 'کس'، 'کون'** ضمیر استفہام ہیں۔ ان کے علاوہ **'کب'، 'کیسے'، 'کیوں'، 'کہاں'، 'کتنا'، 'کتنی'** وغیرہ بھی ضمیرِ استفہام ہیں۔ جس جملے میں اس ضمیر کا استعمال ہوتا ہے، اس کے آخر میں **سوالیہ نشان (؟)** لگاتے ہیں۔

ذیل کے جملوں میں ضمیرِ استفہام استعمال کر کے انھیں سوالیہ جملوں میں تبدیل کیجیے۔

۱۔ لوگ رنگ برنگی جھنڈیاں ہلاتے ہوئے جا رہے تھے۔ ۲۔ یوسف، موہن اور شہزادی بھی ان لوگوں کے پیچھے چلنے لگے۔

۳۔ مجمع شہر کے ایک بڑے چوک میں پہنچا۔ ۴۔ لوگ بھوکے نظر آ رہے ہیں۔

۵۔ لوگ ووٹ دینے کے لیے جانے لگے۔ ۶۔ جادوگر نے سلیمانی ٹوپی پہن لی۔

ضمیرِ موصولہ : ذیل کے جملوں کو پڑھتے ہوئے ان کی بناوٹ پر خاص توجہ دیجیے۔

۱۔ یہ گھڑی شیشے کی ایک نلکی تھی جو درمیان سے اتنی پتلی ہوتی کہ دو حصوں میں بٹی نظر آتی۔ ۲۔ آپ کے سامنے وہ چیز رکھتا ہوں جس کی آپ کو ضرورت ہے۔ ۳۔ یہ ٹوپی جسے پہن کر آدمی غائب ہو جاتا ہے، کاغذ کی ہے۔

ان جملوں میں 'جو'، 'جس'، 'جسے' **ضمیرِ موصولہ** ہیں۔ یہ الفاظ اپنے سے پہلے آنے والے جملے کے حصے کے بارے میں مزید معلومات دیتے ہیں۔

- ذیل کے جملوں میں ضمیرِ موصولہ تلاش کیجیے۔

۱۔ میں وہاں پہنچا تھا جہاں تم نے مجھے بلایا تھا۔ ۲۔ وہ شخص جو پیڑ کے نیچے کھڑا ہے، بہت پریشان ہے۔

۳۔ اس فون پر جس سے چاہو بات کر لو۔

ہونہار بیٹا

اکبرؔ الہ آبادی

پہلی بات

لوگوں سے مل کر ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ان میں ہمارے دوست، رشتہ دار، پڑوسی اور اساتذہ کے علاوہ وہ لوگ بھی شامل ہیں جن سے ہم کسی نہ کسی طرح متاثر ہوتے ہیں۔ بچے اپنے ماں باپ کو دیکھ کر خوش ہوجاتے ہیں۔ والدین کو بھی اپنے بچوں سے ایک خاص لگاؤ ہوتا ہے۔اسکول سے واپس آنے میں بچوں کو دیر ہوجائے تو والدین پریشان ہو اُٹھتے ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کی اچھی عادتوں کو سراہتے ہیں اور ان کی خوبیوں پر فخر کرتے ہیں۔ان میں کوئی کمزوری ہو تب بھی والدین کی محبت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ بیٹے کی خوبیاں والدین کو پسند ہوتی ہیں لیکن اولاد میں کوئی خوبی نہ ہو اور ماں باپ ان کی کمزوریوں کو نظر انداز کریں، شاعر اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا۔

جان پہچان

اکبرؔ الہ آبادی ۱۶؍نومبر ۱۸۴۶ء کو ضلع الہ آباد کے ایک قصبے ’بارہ‘ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے حاصل کی۔ وہ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔۱۸۷۳ء میں ہائی کورٹ کا امتحان پاس کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور ترقی کر کے جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔انھیں حکومت کی طرف سے ’خان بہادر‘ کا خطاب بھی ملا تھا۔ وہ عورتوں کی تعلیم کے زبردست حامی تھے مگر مغرب پرستی کے خلاف تھے۔ان کی شاعری دلچسپ، طنز و مزاح سے بھرپور اور نصیحت آموز ہے۔انھوں نے مشرقی تہذیب اور اخلاقی قدروں کی حفاظت پر زور دیا ہے۔۹؍ستمبر ۱۹۲۱ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے ۔۔۔ ہے زِندگی کا لطف تو دِل کا سرُور ہے
گھر میں اُسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی ۔۔۔ نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرُور ہے
خوش قسمتی کی اُس کو نشانی سمجھتے ہیں ۔۔۔ کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہُور ہے
اکبرؔ بھی اِس خیال سے کرتا ہے اتّفاق ۔۔۔ اُس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرُور ہے
البتہ شرط یہ ہو کہ بیٹا ہے ہونہار ۔۔۔ مائل ہے نیکیوں پہ بُرائی سے دُور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کے پَند کو ۔۔۔ وقتِ کلام لب پہ جناب و حضُور ہے
برتاؤ اس کا صِدق و محبّت سے ہے بھرا ۔۔۔ اس میں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زوُر ہے
رکھتا ہے خاندان کی عزّت کا وہ خیال ۔۔۔ نیکوں کا دوست ، صحبتِ بد سے نفوُر ہے
کسبِ کمال کی ہے شب و روز اُس کو دُھن ۔۔۔ عِلم و ہُنر کے شوق کا دل میں وفوُر ہے

لیکن جو ان صِفات کا مُطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصوُر ہے

خلاصۂ کلام

اس نظم میں اولاد کی پیدائش پر والدین کی خوشی اور ہونہار بیٹے کی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے۔بچوں میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ نیکیوں کو پسند کریں، انھیں برائیوں سے نفرت ہو۔ وہ بزرگوں کی نصیحت کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں۔ان کے برتاؤ میں سچائی اور محبت ہو۔وہ چالاکی اور دھوکے بازی سے دور ہوں۔ اپنے والدین کی مدد کرتے ہوں۔ عقلمند ہوں اور علم و ہنر میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوں۔

شاعر نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ والدین اپنی اولاد کی بری عادتوں کو نظر انداز نہ کریں اور ان کی تربیت پر توجہ دیں۔ یہ خوبیاں بیٹوں کی طرح بیٹیوں میں بھی ضروری ہیں کیونکہ موجودہ زمانے میں مساواتِ مرد و زن پر زور دیا جا رہا ہے۔ اب لڑکیاں بھی تعلیم سے آراستہ ہو کر اپنے والدین اور سماج کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

معنی و اشارات

ہونہار	-	قابل، لائق	مائل ہونا	-	متوجہ ہونا، راغب ہونا	نفوٗر	-	نفرت کرنے والا
سرُوٗر	-	خوشی	پَنْد	-	نصیحت	کسبِ کمال	-	کمال حاصل کرنا
نازاں	-	ناز کرنے والا، فخر کرنے والا	وقتِ کلام	-	بات کرتے وقت	وفوٗر	-	زیادہ ہونا، شدّت
ظہوٗر	-	ظاہر ہونا	مکر و زوٗر	-	دھوکا اور فریب	صفات	-	صفت کی جمع، خوبیاں
						مطلق	-	بالکل

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ اکبرؔ الٰہ آبادی کی شاعری کی خصوصیات کیا ہیں؟

۲۔ شاعر نے اِس نظم میں کس بات کی تلقین کی ہے؟

۳۔ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور کسے کہا گیا ہے؟

۴۔ شاعر نے کس بات کو خوشی کا قصور قرار دیا ہے؟

تفصیل سے جواب لکھیے :

نظم میں شاعر نے ہونہار بیٹے کی کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟

تلاش و جستجو

نظم کی مدد سے درج ذیل فقروں کے لیے ایک لفظ لکھیے :

۱۔ ناز کرنے والا ۲۔ لائق یا قابل

۳۔ نفرت کرنے والا

نقل نویسی

نظم کی مدد سے نیچے دیے ہوئے بیانات سے ملتے جلتے مفہوم والے اشعار لکھیے۔

۱۔ والدین اپنی اولاد پر فخر کرتے ہیں۔

۲۔ اس کے دوست نیک ہیں اور اسے بُرے لوگوں سے نفرت ہے۔

۳۔ علم و ہنر میں کمال حاصل کرنے کی دُھن اُس کے سر پر سوار ہے۔

غور کر کے بتائیے

اس نظم کی روشنی میں بتائیے کہ آپ کے ایسے کون سے کام ہیں جن سے آپ کے والدین خوش ہوتے ہیں۔

سرگرمی/منصوبہ :

بات سے بات چلے

۱۔ اپنے والدین اور خاندان کے بزرگوں کی خوبیوں پر دوستوں سے بات چیت کیجیے۔

۲۔ عورتوں نے مختلف پیشوں میں مہارت حاصل کی ہے۔ ان کے تعلق سے اپنے استاد/سرپرستوں سے معلومات حاصل کیجیے۔